تقریظ وانتقاد

"تعلیمات قرآن"

(۳)

اتباع واطاعتِ رسولؐ جن امور میں مجھ کو مولف سے شدید اختلاف ہے وہ رسالت اور اس کے احکام سے متعلق ہیں۔ اس معاملہ میں فاضل مؤلف نے قریب قریب وہی مسلک اختیار کیا ہے جو گروہ "اہل قرآن" اور "منکرین حدیث" کا مسلک ہے۔ کتاب کے صفحہ ۵۹ پر وہ لکھتے ہیں :۔

اُصولی قانون صرف اللہ کی کتاب ہے۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ — جو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے اوپر اتارا گیا ہے اسی کی پیروی کرو اور اس کے سوا اولیا کی پیروی نہ کرو

جملہ ضوابط اسی کی روشنی میں باہمی مشورہ سے بنائے جائیں گے

وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ — اور انکی حکومت آپس کے مشورے سے ہے"

یہاں مؤلف نے بیچ میں سے اسوۂ رسول کو صاف اڑا دیا ہے۔ انکی تجویز یہ ہے کہ قرآن کریم سے اصول لے کر مسلمان باہمی مشورہ سے تفصیلی قوانین مرتب کرلیا کریں۔ لیکن ان دونوں کڑیوں کے درمیان سلسلہ کی ایک اور کڑی بھی تھی جس کو خود اللہ تعالیٰ نے ہی اس زنجیر میں پیوست کیا تھا۔ وہ کڑی یہ ہے

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ — اے محمد! کہو کہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی

يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (۳ : ۴)　　　تو خدا تم سے محبت کرے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اصولی قانون قرآن ہی ہے مگر یہ قانون ہمارے پاس بلا واسطہ نہیں بھیجا گیا ہے بلکہ رسول خدا کے واسطہ سے بھیجا گیا ہے اور رسول کو درمیانی واسطہ اس لیے بنایا گیا ہے کہ وہ اصولی قانون کو اپنی اور امت کی عملی زندگی میں نافذ کر کے ایک نمونہ پیش کر دیں، اور الٰہی ہدایت سے وہ طریقے متعین کر دیں جن سے یہ اصولی قانون نافذ کیا جا سکتا ہے۔ پس قرآن مجید کے مطابق صحیح ضابطہ یہ ہے کہ پہلے خدا کا بھیجا ہوا اصولی قانون، پھر خدا کے رسول کا بتایا ہوا طریقہ، پھر ان دونوں کی روشنی میں ہمارے اولی الامر کا اجتہاد۔

أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ (۴ : ۸)

اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اولی الامر کی جو تم میں سے ہوں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی بات میں نزاع ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو۔

فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ کا فقرہ خاص طور پر قابل غور ہے۔ مسائل شرعی میں جب مسلمانوں کے درمیان نزاع اور اختلاف واقع ہو تو حکم ہے کہ خدا اور رسول کی طرف رجوع کرو۔ اگر مرجع صرف قرآن مجید ہوتا تو صرف فردوہ الی اللہ کہنا کافی تھا۔ لیکن اس کے ساتھ والرسول بھی کہا گیا جس میں صاف اشارہ ہے کہ قرآن کے بعد رسول کا طریقہ تمہارے لیے مرجع ہے۔

اس کے بعد مؤلف نے صفحہ ۱۲۸ پر لکھا ہے :-

"رسولوں کا فریضہ صرف پیغام الٰہی پہونچانا ہے اور بس

مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ (۵ : ۱۳)　　　رسول کے اوپر کچھ نہیں ہے بجز اس کے کہ وہ (پیغام) پہنچا دیں

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (۳۶ : ۲)　　　ہمارے اوپر سوائے واضح تبلیغ کے اور کچھ نہیں ہے"

آگے چل کر صفحہ ۱۵۵ پر پھر لکھتے ہیں :-

"اور بحیثیت منصبِ رسالت رسول کا فریضہ صرف پیغامِ الٰہی کی تبلیغ ہے اور بس

إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ (۴۲ : ۵) — تیرے اوپر صرف تبلیغ ہے

فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (۶۴ : ۲) — اگر تم نے منہ پھیر لیا تو ہمارے رسول پر صرف کھلی ہوئی تبلیغ ہے اور بس

فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (۱۳ : ۶) — تجھ پر پہنچانا ہے اور ہمارے اوپر حساب لینا ہے"

یہاں مولف نے آیات کے سیاق و سباق اور فحوائے کلام کو نظر انداز کر کے رسالت کے منصب کو اس انداز سے بیان کیا ہے کہ گویا وہ محض ایک نامہ بر کا منصب ہے۔ حالانکہ یہ تمام آیات دراصل کفار کے مقابلہ میں نازل ہوئی ہیں۔ جو لوگ روگردانی کرتے تھے، اور رسول کو جھٹلاتے تھے ان سے کہا گیا ہے کہ رسول کا کام ہمارا پیغام پہنچا دینا تھا سو اس نے پہنچا دیا۔ اب تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے پاس کوئی رہنما نہیں بھیجا گیا۔ مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ (۵ : ۳) اب خدا پر تمہاری کوئی حجت باقی نہیں رہی۔ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (۴ : ۲۳) اب تم نہ مانوگے تو اپنا کچھ بگاڑو گے فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ (۵ : ۳) اسی طرح رسول اللہؐ سے بھی کہہ دیا گیا کہ تم ان کافروں کی روگردانی سے دل گرفتہ کیوں ہوتے ہو؟ تم ان پر داروغہ نہیں بنائے گئے ہو، تم پر ان کی ہدایت و ضلالت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے تمہارا کام پیغامِ الٰہی کا پہونچا دینا تھا، سو تم نے یہ کام کر دیا۔ فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ (۴۲ : ۵) فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (۸۸)

یہ سب کچھ کفار کے مقابلہ میں ہے۔ رہے وہ لوگ جو اسلام قبول کر لیں، اور امتِ مسلمہ میں داخل ہو جائیں تو ان کے لیے رسول کی حیثیت محض پیغام پہنچا دینے والے کی نہیں ہے، بلکہ آپ ان کے لیے معلم اور مزکی بھی ہیں، اسلامی زندگی کا نمونہ بھی ہیں، اور ایسے امیر بھی ہیں جس کی اطاعت ہر زمانے میں بے چون و چرا کی جانی چاہیئے۔ معلم کی حیثیت سے آپ کا کام یہ ہے کہ پیغامِ الٰہی کی تعلیمات اور اس کے قوانین کی تشریح و توضیح کریں (وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (۲ : ۱۵) مزکی ہونے کی حیثیت سے آپ کا کام یہ ہے کہ قرآنی تعلیمات

اور قوانین کے مطابق مسلمانوں کی تربیت کریں اور ان کی زندگیاں اسی سانچے میں ڈھالیں (وَيُزَكِّيهِمْ ۲: ۱۵) نمونہ ہونے کی حیثیت سے آپ کا کام یہ ہے کہ خود قرآنی تعلیم کا عملی مجسمہ بن کر دکھا دیں، تاکہ آپ کی زندگی اس زندگی کی ٹھیک ٹھیک تصویر ہو جو قرآن کے مقصود کے مطابق ایک مسلمان کی زندگی ہونی چاہئے، اور آپ کے ہر قول اور ہر فعل کو دیکھ کر معلوم ہو جائے کہ ایسا ہی قول اور ایسا ہی فعل (جو لازم نہیں کہ بعینہ وہی قول اور وہی فعل ہو) قرآن کے مقصود کے مطابق ہے، اور جو کچھ اس کے خلاف ہے وہ قرآن کے خلاف ہے (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۳۳: ۳) ۔ اور وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۔ ۵۳: ۱)

اس کے ساتھ حضور کی حیثیت امیر کی بھی ہے۔ مگر وہ امیر نہیں جس سے نزاع کی جا سکے، بلکہ وہ امیر جس کے حکم کو بے چون و چرا ماننا ویسا ہی فرض ہے، جیسا قرآن کی آیت کو ماننا فرض ہے (فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ ۔ ۴: ۸ ۔ وَمَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۔ ۴: ۸) اور وہ امیر نہیں جو صرف اپنی زندگی ہی میں امیر ہوتا ہے، بلکہ وہ امیر جو قیامت تک کے لیے امت مسلمہ کا امیر ہے جس کے احکام مسلمانوں کے لیے ہر زمانہ اور ہر حال میں مرجع ہیں۔ اس لیے کہ قرآن کی جتنی آیات اوپر پیش کی گئی ہیں ان میں سے کوئی بھی زمانہ کے ساتھ مقید نہیں ہے، نہ منسوخ ہے۔

مولف نے منصب رسالت کے ان مراتب کو سمجھنے میں دو بہت بڑی غلطیاں کی ہیں:۔

اولاً، انھوں نے بعض آیات کا غلط مفہوم لے کر رسول کا کام صرف تبلیغ (یعنی نامہ بری) میں محدود کر دیا، پھر تعلیم کتاب و حکمت، اور تزکیۂ نفوس، اور نمونہ بن کر دکھانے کے جملہ مراتب کو "تبلیغ" کے ضمن میں شامل کر دیا حالانکہ قرآن مجید میں تبلیغ کے ساتھ ان میں سے ہر ایک کو ایک مستقل مرتبہ اور بجائے خود منصب رسالت کا ایک جزو قرار دیا گیا ہے۔ اس فرق مراتب کو ملحوظ نہ رکھنے اور بعد کے مراتب کی اہمیت کو نظر انداز کر دینے کا نتیجہ یہ ہے کہ مولف کے لیے منصب رسالت کا سمجھنا دشوار ہو گیا۔ وہ نہ سمجھ سکے کہ معلم کتاب و حکمت اور مزکی نفوس اور قابل تقلید نمونہ ہونے کی حیثیت سے آنحضرتؐ کی زندگی کیا اہمیت رکھتی ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ :-

"آیت وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ کا یہ مفہوم قرار دینا کہ رسول اللہ جو کچھ کلام کرتے تھے وہ سب کا سب وحی تھا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ دعویٰ قرآن کے وحی ہونے کا تھا جس کا کفار انکار کرتے تھے اس کے بارے میں کہا گیا کہ وہ جو کچھ بولتے ہیں وحی ہے۔ گھر میں یا ازواج مطہرات یا باہر دیگر حضرات سے جو گفتگو فرماتے تھے اس کے متعلق نہ وحی ہونے کا دعویٰ تھا نہ کفار کو کوئی بحث تھی"

اس تقریر کو جب ہم مولف کی ان عبارتوں کے ساتھ ملا کر پڑھتے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ "رسول کا کام صرف پیغام الٰہی کی تبلیغ ہے اور بس" اور "رسول کی اطاعت کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ کا پیغام جو وہ لایا ہے اس پر عمل کیا جائے" اور یہ کہ "ہمارے رسول صرف اللہ کی کتاب یعنی قرآن کے مبلغ تھے" تو اس سے مولف کا مدعا یہ معلوم ہوتا ہے کہ محمدؐ ابن عبداللہ بحیثیت رسول، اور محمدؐ ابن عبداللہ بحیثیت انسان کے درمیان فرق کر دیں۔ رسول ہونے کی حیثیت سے آنحضرت قرآن کی جو تعلیم دیں اور قرآن کے مطابق جو احکام دیں، وہ تو مولف کے نزدیک سمع وطاعت کے مستحق ہیں۔ مگر بحیثیت انسان آپ کے اقوال وافعال ویسے ہی ہیں جیسے ایک انسان کے ہوتے ہیں ان کا خدا کی طرف سے ہونا، اور ہوائے نفس سے محفوظ ہونا، اور ضلالت وغوایت سے پاک ہونا مولف کے نزدیک مسلم نہیں ہے اور نہ جناب مولف ان کے اندر امت مسلمہ کے لئے کوئی قابل تقلید نمونہ پاتے ہیں۔

لیکن یہ تفریق جو انھوں نے محمدؐ ابن عبداللہ بحیثیت مبلغ قرآن اور بحیثیت انسان کے درمیان کی ہے، قرآن مجید سے ہرگز ثابت نہیں ہے۔ قرآن میں آنحضرت صلعم کی ایک ہی حیثیت بیان کی گئی ہے اور وہ رسول و نبی ہونے کی حیثیت ہے۔ جس وقت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب رسالت سے سرفراز کیا، اس وقت سے لیکر حیات جسمانی کے آخری سانس تک آپ ہر آن اور ہر حال میں خدا کے رسول تھے۔ آپ کا ہر فعل اور ہر قول رسول خدا کی حیثیت سے تھا، اسی حیثیت میں آپ مبلغ اور معلم بھی تھے، مربی اور مزکی بھی تھے، قاضی اور حاکم بھی تھے، امام اور امیر بھی تھے، حتیٰ کہ آپ کی خانگی اور عائلی اور شہری زندگی کے سارے معاملات بھی اسی حیثیت کے تحت

آ گئے تھے، اور ان تمام حیثیتوں میں آپ کی حیات طیبہ ایک انسان کامل اور مسلم قانت اور مومن صادق کی زندگی کا ایسا نمونہ تھی جس کو حق تعالیٰ نے ہر اس شخص کے لیے بہترین قابل تقلید نمونہ قرار دیا تھا جو اللہ کی خوشنودی اور آخرت کی کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہو۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ (۳۳: ۲۱) قرآن مجید میں کہیں کوئی خفیف سے خفیف اشارہ بھی ایسا نہیں ملتا جس کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت رسالت اور حیثیت انسانی اور حیثیت امارت میں کوئی فرق کیا گیا ہو۔ اور یہ فرق کیسے کیا جا سکتا ہے؟ جب آپ خدا کے رسول تھے تو لازم تھا کہ آپ کی پوری زندگی خدا کی شریعت کے ماتحت ہو اور اس شریعت کی نمائندہ ہو۔ اور آپ سے کوئی ایسا فعل اور کوئی ایسی حرکت صادر نہ ہو جو خدا کی رضا کے خلاف ہو۔

اسی بات کی طرف سورۂ نجم کی ابتدائی آیات میں اشارہ کیا گیا ہے کہ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ۔ تمہارا صاحب (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نہ بے راہ ہوا اور نہ گمراہ ہوا۔ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ۔ اور وہ جو کچھ کہتا ہے ہوائے نفس کی بنا پر نہیں کہتا۔ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔ اسکی بات کچھ نہیں ہے مگر وحی جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ۔ اسکو ایسے استاد نے تعلیم دی ہے جس کی قوتیں بڑی زبردست ہیں۔ جناب مؤلف فرماتے ہیں کہ ان آیات میں قرآن کے وحی ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے جس کا کفار انکار کرتے تھے۔ لیکن مجھے ان آیات میں کہیں کوئی خفیف سا اشارہ بھی قرآن کی طرف نظر نہیں آتا۔ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ میں هُوَ کی ضمیر نطق رسول کی طرف پھرتی ہے جس کا ذکر وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ میں کیا گیا ہے۔ ان آیات میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کی بنا پر نطق رسول کو صرف قرآن کے ساتھ مخصوص کیا جا سکتا ہو۔ ہر بات جس پر نطق رسول کا اطلاق ہوگا، آیات مذکورہ کی بنا پر وحی ہوگی، اور ہوائے نفس سے پاک ہوگی۔ یہ تصریح قرآن میں اسی لئے کی گئی ہے کہ رسول کو جن لوگوں کے پاس بھیجا گیا ہے، ان کو رسول کے ضلالت اور غوایت اور ہوائے نفس سے محفوظ ہونے کا کامل اطمینان ہو جائے اور جان لیں کہ رسول کی ہر بات خدا کی طرف سے ہے۔ ورنہ اگر کسی ایک بات میں بھی یہ شبہ ہو جائے کہ وہ ہوائے نفس پر مبنی ہے اور خدا کی طرف سے نہیں ہے تو رسول کی رسالت پر سے اعتماد

اُٹھ جائے۔ کفار اسی چیز کے منکر تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ رسول کو نعوذ باللہ جنون ہے، یا کوئی آدمی اس کو پڑھاتا ہے یا وہ اپنے دل سے باتیں بنایا کرتا ہے۔ حق تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما کر اس غلط خیال کی تردید کی ہے اور صاف الفاظ میں فرمایا ہے کہ نہ تمہارا صاحب بے راہ یا گمراہ ہے، نہ وہ ہوائے نفس کی بنا پر کچھ کہتا ہے۔ اس کی زبان مبارک سے جو کچھ نکلتا ہے حق نکلتا ہے جو خاص ہماری طرف سے ہے۔ اور اس کو کوئی انسان یا جن یا شیطان نہیں پڑھاتا بلکہ وہ معلم سبق دیتا ہے جو شدید القویٰ ہے۔ یہی بات خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمائی ہے کہ فو الذی نفسی بیدہ لا مایخرج منہ الا حقا۔ "اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اس سے جو کچھ نکلتا ہے حق ہی نکلتا ہے"۔

افسوس ہے کہ صاحب تعلیمات قرآن کو اس حقیقت سے انکار ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ "آنحضرتؐ اپنے گھر میں ازواج مطہرات سے یا باہر دیگر حضرات سے جو گفتگو فرماتے تھے اس کے متعلق نہ وحی ہونے کا دعویٰ تھا، نہ کفار کو کوئی بحث تھی"۔ میں کہتا ہوں کہ آنحضرت جس وقت جس حالت میں جو کچھ بھی کرتے تھے رسول کی حیثیت سے کرتے تھے، سب کچھ ضلالت و غوایت اور ہوائے نفس سے پاک تھا، اور اللہ نے جو فطرت سلیمہ آپ کو عنایت فرمائی تھی، اور تقویٰ و پاکیزگی کے جو حدود آپ کو بتائے تھے، آپ کے تمام اقوال و افعال اسی فطرت سے صادر اور انہی حدود سے محدود ہوتے تھے، ان کے اندر تمام عالم انسانی کے لیے ایک قابل تقلید نمونہ تھا، اور انہی سے ہم معلوم کرسکتے ہیں کہ کیا چیز جائز ہے اور کیا ناجائز۔ کونسی چیز حرام ہے اور کون سی حلال۔ کون سی باتیں حق تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہیں اور کون سی اس کے خلاف ہیں۔

ثانیاً، انھوں نے رسول اللہ کی حیثیت امارت کو حیثیت رسالت سے الگ کردیا ہے جس کا ثبوت قرآن میں نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"اطاعت بحیثیت رسول اور اطاعت بحیثیت امیر میں دو باتوں کا فرق ہے۔

(۱) بحیثیت رسالت، رسول اللہ کو کسی سے مشورہ لینے کا حکم نہ تھا بلکہ فریضۂ تبلیغ اللہ کی طرف سے

آپ کے ذمے لازم کیا گیا تھا۔ یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ (۵: ۱۰) اور امیر کی حیثیت سے لوگوں سے مشورہ لینے کا حکم دیا گیا تھا وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ (۳: ۱۷)

(۲) بحیثیت رسول آپ کی اطاعت قیامت تک فرض ہے کیونکہ قرآن ہمیشہ کے لیے ہے لیکن بحیثیت امیر آپ کی اطاعت بالمشافہ تھی یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْہُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ (۸: ۳) اور امارت کے فرائض ہمیشہ ہنگامی ہی ہوں گے کیونکہ زمانہ کے ساتھ ساتھ حالات بھی بدلتا رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آج جو امیر ہوگا وہ غزوۂ بدر و اُحد کی متابعت میں صرف نیزہ و شمشیر سے جہاد میں کام نہ لے گا بلکہ موجودہ زمانہ کے اسلحہ استعمال کرے گا۔ امراء کے مقابلہ میں منازعت کا حق حاصل ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ (۴: ۸)"

یہ سب کچھ قرآن کے منشا کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ چونکہ مولف نے یہ نہیں سمجھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے بنائے ہوئے امیر نہیں تھے بلکہ خدا کے مقرر کیے ہوئے امیر تھے، اور آپ کی امارت آپ کی رسالت سے الگ نہ تھی بلکہ آپ رسول خدا ہونے کی حیثیت ہی سے امیر تھے۔ اس لیے انھوں نے رسول اللہ کی حیثیت امارت کو عام امراء کی حیثیت امارت کے مانند سمجھ لیا۔ پھر اس کی تائید میں قرآن کی جن آیات سے استدلال کیا ہے اُن کو بھی وہ ٹھیک ٹھیک نہیں سمجھے۔ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں سے مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا، مگر وہ اس لیے تھا کہ آپ اپنی امت کے امراء کے لیے مشاورت کا نمونہ پیش کریں اور خود اپنے عمل سے شوریٰ Democracy کے صحیح اصول کی طرف رہنمائی کریں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں ہے کہ آپ کی حیثیت، دوسرے امراء کی سی ہے۔ دوسرے امراء کے لیے تو یہ قانون مقرر کیا گیا ہے کہ وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ (۴۲: ۴) اور یہ کہ اگر اہل شوریٰ میں نزاع ہو تو وہ خدا اور رسول کی طرف رجوع کریں۔ (فَاِنْ

تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ (۴: ۸) لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ سلم کو جہاں مشورہ لینے کا حکم دیا گیا ہے وہیں یہ بھی کہہ دیا گیا کہ جب آپ کسی بات کا عزم فرمالیں تو خدا پر بھروسہ کرکے عمل کا اقدام فرمائیے۔ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ (۳: ۱۷) اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ مشورہ کے محتاج نہ تھے، بلکہ آپ کو شوریٰ کا حکم صرف اس لیے دیا گیا تھا کہ آپ کے مبارک ہاتھوں سے ایک صحیح شوروی طرز حکومت کی بنیاد پڑ جائے۔

رہی یہ بات کہ امیر کی حیثیت سے آنحضرت صلعم کی اطاعت صرف آپ کے عہد تک تھی تو یہ بھی غلط ہے اور جس آیت سے استدلال کیا گیا ہے اس سے یہ مفہوم نہیں نکلتا۔ مؤلف نے وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ سے یہ سمجھا ہے کہ اطاعت رسول کا حکم صرف ان لوگوں کو دیا گیا تھا جو اس وقت اس حکم کو سن رہے تھے۔ لیکن اگر وہ سورۂ انفال کو ابتدا سے پڑھتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ وہاں مقصود کچھ اور ہے۔ ابتداء میں فرمایا گیا ہے کہ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (اگر تم ایمان رکھتے ہو تو خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرو) پھر ان لوگوں کو ڈانٹا گیا ہے جو رسول اللہ کی دعوت جہاد پر دلوں میں کڑھتے تھے۔ پھر فرمایا گیا ہے کہ وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول سے جھگڑا کرے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے) اس کے بعد یہ ارشاد ہوا ہے کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ۔ اس آیت میں اور پچھلی تمام آیات میں رسول کے ساتھ اللہ کی اطاعت کا ذکر بار بار کیا گیا ہے جس سے یہ یاد دلانا مقصود ہے کہ رسول کی اطاعت عین اللہ کی اطاعت ہے۔ پھر لفظ رسول آیا ہے۔ امیر کا لفظ کسی جگہ بھی استعمال نہیں کیا گیا، اور نہ کوئی مخفی سے مخفی اشارہ ایسا موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہو کہ یہاں رسول سے مراد رسول کی ایسی امیرانہ حیثیت ہے جو رسالت سے مختلف ہو۔ پھر رسول کے حکم سے منہ موڑنے کو منع کیا گیا ہے جس پر سخت عذاب کی دھمکی اوپر دی جا چکی ہے۔ اس کے بعد وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ کہنے کا منشا صاف یہ ہے کہ تم ہمارے ان تاکیدی احکام کو سنتے ہوئے ہمارے رسول کی اطاعت سے کبھی منہ نہ موڑو۔ اس انتم اور تسمعون کے مخاطب صرف وہی لوگ نہیں ہیں جو اس وقت موجود تھے بلکہ قیامت تک جو

لوگ ایمان کے ساتھ قرآن کو سنیں گے ان سب پر لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حکم ان کو پہنچے اس کے آگے سرِ تسلیم خم کردیں اور خدا کے عذاب سے ڈریں ۔

اور یہ جو مؤلف نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض امارت اسی طرح ہنگامی ہیں جس طرح دوسرے امراء کے ہوا کرتے ہیں، کیونکہ آج ہم جہاد میں بدر و اُحد کی طرح نیزہ و شمشیر سے نہیں لڑ سکتے، تو یہ بہت ہی عجیب بات ہے۔ رسول اللہ صلعم نے اپنے عہد میں جن اسلحہ سے کام لیا تھا وہ اسلحہ تو ضرور ایک خاص ماحول سے تعلق رکھتے تھے، لیکن حضور نے اپنی لڑائیوں میں جو اخلاقی ضوابط برتے تھے اور جن ضوابط کو برتنے کی ہدایت فرمائی تھی وہ کسی عہد کے لیے مخصوص نہ تھے، بلکہ انھوں نے مسلمانوں کے لیے ایک دائمی قانون جنگ بنا دیا ہے۔ شرعی نقطۂ نظر سے یہ سوال اہمیت نہیں رکھتا کہ آپ تلوار استعمال کرتے ہیں یا بندوق یا توپ۔ بلکہ اہمیت اس سوال کی ہے کہ آپ اپنے اسلحہ کس مقصد کے لیے استعمال کرتے ہیں، کس پر استعمال کرتے ہیں، اور کس طرح ان سے خونریزی کا کام لیتے ہیں۔ اس باب میں جو نمونہ آنحضرت صلعم نے اپنے غزوات میں پیش فرمایا ہے وہ ہمیشہ کے لیے اسلامی جہاد کا ایک مکمل نمونہ ہے، اور معنوی حیثیت سے سرورِ عالم قیامت تک کے لیے ہر مسلمان فوج کے سپہ سالارِ اعظم ہیں ۔

مؤلف نے امارت اور رسالت میں ایک فرق اور بھی بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ امراء سے منازعت کا حق حاصل ہے۔ اب میں ان سے پوچھتا ہوں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیتِ امارت ویسی ہی ہے جیسی دوسرے امراء کی ہے تو کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منازعت کا حق حاصل تھا؟ جس امیر کے مقابلہ میں آواز بلند کرنے تک کی اجازت نہ تھی، اور صرف اتنی سی گستاخی پر تمام عمر کے اعمال غارت ہوجانے کی دھمکی دی گئی تھی (۴۹: ۱) اور جس سے جھگڑا کرنے والے کو دوزخ میں جھونک دیئے جانے کا خوف دلایا گیا تھا (۴: ۱۷) کیا اس امیر سے منازعت کرنے کا حق کسی مسلمان کو حاصل ہوسکتا ہے؟ اگر نہیں تو کہاں اس امیر کی امارت اور کہاں ان امراء کی امارت جن سے منازعت کا حق مسلمانوں کو دیا گیا ہے۔

مؤلف نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیثیت امارت اور عام امراء کی حیثیت امارت میں قطعاً کوئی امتیاز نہیں رکھا ہے، حتیٰ کہ ان تمام احکام کو جو اطاعت رسول سے متعلق ہیں، اطاعت امیر کے احکام قرار دیا ہے (صفحہ ۷، ۱۵

کے حاشیہ پر لکھتے ہیں :-

"اللہ اور رسول کے الفاظ قرآن میں اکثر جہاں جہاں ساتھ ساتھ آئے ہیں ان سے مراد امارت ہے جس کا قانون کتاب اللہ ہے اور جس کے نافذ کرنے والے رسول اللہ یا ان کے جانشین ہیں مثلاً یسئلونک عن الانفال قل الانفال للہ والرسول (۸: ۱) مال غنیمت کا حکم صرف عہد رسالت تک محدود نہ تھا بلکہ آیندہ کے لئے بھی ہے جس کی تعمیل خلافت کا فریضہ ہے"

پھر فان تنازعتم فی شئ فردوہ الی اللہ والرسول کے متعلق صفحہ ۵۰۸ پر حاشیہ لکھتے ہیں :-

"آخری اختیار اللہ رسول یعنی امارت ہے۔ اسلیے رسول اللہ کا جو منصب بحیثیت امیر کے ہے وہی ان کے خلفاء کا بھی ہوگا"

یہ حق سے صریح تجاوز ہے۔ قرآن مجید میں اطاعت خدا، اطاعت رسول، اور اطاعت اولی الامر کے تین مراتب بیان کئے گئے ہیں۔ اطاعت خدا سے مراد قرآن مجید کے احکام کی اطاعت ہے۔ اطاعت رسول سے مراد رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے قول اور عمل کی پیروی ہے۔ اور اطاعت اولی الامر سے مراد مسلمانوں کے امراء اور ارباب حل و عقد کی اطاعت ہے۔ پہلے دونوں مراتب کے متعلق قرآن میں ایک جگہ نہیں بیسیوں جگہ اس امر کی تصریح کی گئی ہے کہ خدا اور رسول کے احکام میں کسی چون وچرا کی گنجائش نہیں ہے۔ مسلمانوں کا کام سننا اور اطاعت کرنا ہے۔ خدا اور رسول کے فیصلہ کے بعد کسی مسلمان کو یہ اختیار باقی نہیں رہتا کہ وہ اپنے معاملہ میں خود کوئی فیصلہ کرے۔ رہا تیسرا مرتبہ تو اس کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے کہ اولی الامر کی اطاعت، خدا اور رسول کے احکام کے تابع ہے، اور نزاع کی صورت میں خدا اور رسول کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔ ایسے صاف اور کھلے ہوئے احکام کے موجود ہوتے ہوئے اسکی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے کہ خدا اور رسول سے مراد امارت لی جائے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب امارت کو اس امارت کے ساتھ ملا دیا جائے جو مسلمانوں کے امراء کو حاصل ہے۔ اس معاملہ میں قل الانفال للہ والرسول سے جو استدلال کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ "اموال غنیمت خدا اور رسول کے لیے ہیں" کہنے کا مدعا یہ ہے کہ خدا اور رسول نے اسلامی جماعت کا جو

نظام قایم کیا ہے اس کے مصالح میں یہ غنائم صرف کیے جائیں۔ اس سے یہ مطلب کہاں نکلتا ہے کہ اللہ اور رسول سے مراد امارت ہے؟

حدیث کے متعلق مولف کا مسلک حدیث کے متعلق مولف نے قریب قریب وہی مسلک اختیار کیا ہے جو منکرین حدیث کے ایک بڑے گروہ کا مسلک ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

"تعلیم کتاب کا ایک شعبہ یہ بھی تھا کہ رسول اس کے احکام پر عمل کرکے دکھا دے تاکہ امت اسی نمونہ پر عمل کرے گی

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔　　تمہارے لیے رسول اللہ کے اندر اچھا نمونہ ہے۔

چنانچہ ہمارے رسول نے جملہ احکام قرآن مثلاً نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ پر عمل کرکے دکھلا دیا اور مسلمان اسی نمونہ پر عمل کرنے لگے۔ یہ اسوۂ حسنہ اُمت کے پاس عمل متواتر کی شکل میں موجود ہے جس کے مطابق رسول اللہ کے عہد سے نسلاً بعد نسل وہ عمل کرتی چلی آتی ہے۔ اس لیے یہ یقینی اور دینی ہے۔ اس کی مخالفت خود قرآن کی مخالفت ہے"

دوسری جگہ مولف نے لکھا ہے :-

"غیر یقینی شے کا دین میں کچھ دخل نہیں"

ان عبارات اور مولف کی ان تصریحات سے جو اوپر بیان ہو چکی ہیں، ان کا مسلک واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ :-

(۱) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قضایا اور وہ قوانین جو آپ نے سیاسی، جنگی، اور تمدنی و اجتماعی امور میں امیر قوم کی حیثیت سے نافذ کیے تھے، اس اسوۂ رسول کی حدود سے خارج ہیں جس کی پیروی کا حکم عام قرآن میں دیا گیا ہے۔ لہذا ان کی تو اب ضرورت ہی نہیں رہی، کیونکہ امارت کے فرائض ہنگامی ہیں اور زمانہ کے ساتھ ساتھ ماحول بھی بدلتا رہتا ہے۔

(۲) صرف ان امور میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا عمل (نہ کہ قول) قابل تقلید ہے جو عبادات اور دینی عمل سے تعلق رکھتے ہیں، اور جن میں آنحضرت صلعم نے قرآنی احکام پر عملدرآمد کرنے کی صورت خود اپنے عمل سے بتادی ہے۔

(۳) مولف کے نزدیک صرف وہ عمل متواتر یقینی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے اب تک جاری ہے، اور جس کی پیروی ہر نسل اپنے سے پہلی نسل کو دیکھ کر کرتی رہی ہے۔ رہیں وہ روایات جو آنحضرت صلعم کے اقوال و اعمال کے متعلق احادیث میں وارد ہوئی ہیں، تو وہ یقینی نہیں ہیں، اور دین میں ان کا کچھ دخل نہیں۔

ان میں سے پہلی دونوں باتوں کے متعلق میں قطعیت کے ساتھ کہتا ہوں، قرآن کے بالکل خلاف ہیں قرآن میں کوئی خفیف سے خفیف اشارہ بھی ایسا نہیں ملتا جس کی بنا پر یہ حکم نکلتا ہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے محض دینی اعمال دائماً قابل تقلید ہیں، اور تمدنی و اجتماعی امور میں آپ کے فیصلے اور آپ کے نافذ کردہ قوانین صرف اس عہد کے لیے مخصوص ہیں جس عہد میں وہ نافذ کیے گئے تھے۔ اگر ایسی کوئی آیت قرآن میں ہو جس سے، ان دونوں قسم کے اعمال میں فرق کیا جاسکتا ہو اور دونوں کے احکام مختلف قرار دیئے جاسکتے ہوں تو اسکو پیش کیا جائے۔ مجھ کو تو قرآن میں یہ حکم ملتا ہے کہ

وما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله و رسوله امراً ان يكون لهم الخيرة من امرهم و من يعص الله و رسوله فقد ضل ضلالاً مبيناً	کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی امر میں فیصلہ کردے، تو ان کو اپنے معاملہ میں خود کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار باقی رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کریگا وہ صریح گمراہی میں بھٹک جائیگا
(۳۳ ، ۵)	

اس آیت میں زمانہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ مومن اور مومنہ سے خاص عہد رسالت کے مومن مرد و عورت مراد نہیں لیئے جاسکتے۔ "امراً" کا لفظ نہایت عام ہے جو ہر قسم کے معاملات پر حاوی ہے، خواہ وہ دینی ہوں یا دنیوی۔ اللہ اور رسول سے مراد اللہ اور رسول ہی ہیں "ہرگز نہیں ہے کیونکہ امیر یا اولی الامر بہرحال مومن ہی ہونگے اور یہاں تمام مومنین و مومنات سے یہ حق سلب کیا گیا ہے کہ خدا اور رسول نے جس معاملہ کا فیصلہ کردیا ہو اس میں انہیں مجتمعاً یا منفرداً خود فیصلہ کرنے کا کوئی اختیار باقی رہے۔ پھر فرمایا گیا ہے کہ جو امر کے خلاف عمل کرے گا وہ صریح

بہت دور بھٹک جائیگا،، یہ اشارہ ہی اس طرف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور اسکی ہدایت سے اسکے رسول نے اپنے احکام اور اپنے قوانین سے اسلامی جماعت کا جو نظام قائم کر دیا ہے ، اس نظام کا قیام منحصر ہی اس پر ہے کہ جو احکام جاری کر دیئے گیے ہیں اور جو قوانین نافذ کر دیئے گیے ہیں انکی ٹھیک ٹھیک پیروی کی جائے ۔ اگر خدا اور اس کے رسول کی قولی اور عملی رہنمائی سے قطع نظر کر کے لوگ خود اپنی رائے اور اپنے اختیار سے کچھ طریقے اختیار کریں گے تو یہ نظام باقی نہ رہے گا ، اور اس نظام کے ٹوٹتے ہی تم راہ راست سے بھٹک کر بہت دور نکل جاؤ گے تعجب ہے کہ جب قرآن میں ایسی صاف اور صریح ہدایت موجود ہو اسکی تعلیمات لکھنے والے نے وہ مسلک اختیار کیا ہے جو آپ ابھی سن آئے ہیں ۔

رہی تیسری بات ، تو اس کے متعلق میں اپنے خیالات تفصیل کے ساتھ ،، ترجمان القرآن ،، کی گذشتہ اشاعتوں میں عرض کر چکا ہوں ، ان کے دہرانے کی یہاں ضرورت نہیں ۔ البتہ میں جناب مولف سے صرف یہ سوال کرونگا کہ اگر کوئی شخص ان تمام بدعات و خرافات کو جو آج مسلمانوں کی مذہبی زندگی میں رائج ہو گئی ہیں ، وہ یقینی عمل متواتر قرار دے جو رسول اللہ صلعم کے عہد سے نسلاً بعد نسل چلا آ رہا ہے ، اور اس بنا پر انہیں داخل دین سمجھے تو آپ کے پاس کونسا ایسا یقینی ذریعہ ہے جس سے آپ یہ فیصلہ کر سکیں کہ یہ عمل رسول اللہ صلعم کا نہیں ہے بلکہ بعد کے لوگوں کی ایجاد ہے ؟ آپ فرمائیں گے کہ ہم قرآن مجید کی طرف رجوع کریں گے اور اسکی آیات سے ان بدعات کی تردید کریں گے ۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اول تو رسول اللہ صلعم کے قول و عمل سے آیات قرآنی کے معانی کی جو تعیین ہوتی ہے اسکو نظر انداز کر دینے کے بعد آیات کی تاویل میں ایک بدعت پسند انسان اتنی گنجائش نکال سکتا ہے کہ اسکی بہت سی بدعتوں کی تردید مشکل ہو جائیگی ۔ دوسرے اگر آپ نے قرآن سے اسکی بدعات کی تردید کر بھی دی تو یہ اس کے اس دعوے کی تردید نہ ہوگی کہ یہ وہی یقینی عمل متواتر ہے جو رسول اللہ صلعم کے عہد سے نسلاً بعد نسل چلا آ رہا ہے ۔ آپ اپنے مسلک کے مطابق اس عمل متواتر کو غیر یقینی کہہ نہیں سکتے ۔ اور آپ تاریخ سے بھی (جو روایات کی طرح غیر یقینی ہی ہونی چاہیئے) یہ استدلال نہیں کر سکتے کہ یہ بدعات عہد رسالت میں نہ تھیں بلکہ فلاں عہد میں جاری ہوئیں ۔ اب صرف یہی صورت رہ جاتی ہے کہ آپ ان کو یقینی مان لیں اور اس صورت میں احکام قرآنی اور عمل رسول کے درمیان اختلاف اور رسول اللہ کی رسالت میں طعن لازم آتا ہے ۔

اس کے علاوہ مولف نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور عالم برزخ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس میں بھی

(باقی مضمون صفحہ ۹۰ پر ملاحظہ ہو)